دین کا مطالعہ

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ

دین کا مطالعہ

(قرآن مجید، احادیث، سیرت اور صالح لٹریچر کے مُطالعہ کی اہمیت اور اپنی اصلاح و تربیت کے سلسلے میں اُن سے استفادہ کے طریقے)

ضرورت، اہمیت اور افادیت

قرآن مجید اور احادیث کا مطالعہ بنیادی طور پر، اور عام دینی کتابوں کا مطالعہ ذیلی طور پر ایک مسلمان کے اسلام کے لیے بھی ضروری ہے اور اس کے ایمان کے لیے بھی۔ اس مطالعہ کے بغیر اسے نہ صحیح معنوں میں اسلام میسّر آسکتا ہے اور نہ صحیح نوعیت کا زندہ و توانا قسم کا ایمان حاصل ہوسکتا ہے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے وہ آپ سے آپ واضح ہے۔ کسی دلیل یا شرح و تفصیل کی بالکل محتاج نہیں ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ 'اسلام' عمل کا یعنی احکامِ دین و شریعت کی مخلصانہ پیروی کا نام ہے۔ عمل کے لیے خواہ وہ دین کا ہو خواہ دنیا کا، علم ضروری ہوتا ہے اور بداہتہً ضروری ہوتا ہے۔ جو کوئی یہ جانتا ہی نہ ہو کہ فلاں کام کا کرنا اس کے لیے ضروری ہے، وہ اسے انجام دینے کا خیال تک ذہن میں نہیں لاسکتا، چہ جائے کہ اسے عملاً انجام دے اس لیے اسلام یعنی احکامِ دین کی پیروی کے لیے ان احکام کا علم شرطِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس علم کی تعیین، تفصیل اور تفصیل در تفصیل کے تحریری ریکارڈ کا نام قرآن، حدیث، سیرت اور پھر صالح دینی لٹریچر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص اسلام کے اس تحریری ریکارڈ کا جتنا اور جس قسم کا علم رکھتا ہوگا اُتنا ہی اور اُسی طرح کا وہ مسلم ہونے کا حق بھی ادا کرسکے گا۔ کسی ایسے شخص کے لیے جو نہیں جانتا یا بہت کم جانتا ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسولِ خدا کے ارشادات اس سے زندگی کے مختلف گوشوں میں کس طرزِ عمل کے طالب ہیں، وہ اپنے اسلام کا مشکل ہی سے کوئی ثبوت پیش کرپائے گا۔ اس کا حال کم و بیش ان لوگوں جیسا ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ

نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتَابَ اِلَّآ اَمَانِیَّ ط (وہ کچھ من مانی باتوں کے سوا کتابِ الٰہی (یعنی توراۃ) کا کوئی علم نہیں رکھتے) وہ لوگ جو خدا کی نگاہ میں صالح و مصلح اور اجرِ آخرت کے مستحق ہوتے ہیں ان کی صفت قرآن کریم نے یہ بتائی ہے کہ وہ کتاب الٰہی کو مضبوط پکڑے رہتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ط اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ○ (الاعراف:)

''اور جو کتاب الٰہی کو مضبوطی سے پکڑتے اور نماز قائم کرتے ہیں ہم ایسے مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''

اسی طرح گمراہی یعنی غیر اسلام سے محفوظ رہنے کی پہلی اور آخری تدبیر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے کہ دو چیزوں اللہ کی کتاب اور میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ رَسُوْلِہٖ

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

کتاب اور سنت کو مضبوطی سے پکڑے اور تھامے رہنے کے معنی، ظاہر ہے کہ ان کی تعلیمات پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے کے ہی ہو سکتے ہیں۔ اور یہ عمل جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ان تعلیمات کے علم کے بغیر ممکن نہیں۔ اور جس طرح اُن پر عمل ان کے عِلم کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح ان کا علم بھی ان کے مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور سنتِ رسولؐ کا مطالعہ ایک مسلمان کے عین اپنے اسلام کے لیے قطعی ضروری ہے۔

اب دوسری بات یعنی خود ایمان کے لیے بھی اس مطالعہ کے مسئلہ کو لیجیے یہ بات چوں کہ پہلی بات کی طرح واضح نہیں ہے اس لیے عام لوگوں کو کچھ عجیب سی لگ سکتی ہے۔ وہ خیال کر سکتے ہیں کہ جو شخص قرآن اور اسلام پر بالفعل ایمان رکھتا ہو آخر اس کے ایمان کے لیے اس مطالعہ کی کیا ضرورت باقی رہ سکتی ہے؟ اس لیے اس بات کو ذرا تفصیل سے سمجھ لینا چاہیے۔

یہ صحیح ہے کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایمان ایک بسیط شئے ہے اور جب وجود میں آتا ہے تو جزو جزو کر کے نہیں آتا بلکہ پورے طور پر آتا ہے۔ لیکن ایسا سمجھ بیٹھنا کسی طرح صحیح نہیں کہ ایمان کا یہ

سادہ وجود نہ اب کسی تفصیلی واقفیت کا محتاج رہ جاتا ہے نہ کسی فکر و اہتمام کا۔ اور جس طرح اسلام یعنی احکامِ دین کی بجا آوری کے لیے کتاب و سنت کے مطالعہ کی ناگزیر ضرورت ہے اس طرح کی کوئی ضرورت ایمان کے سلسلے میں نہیں پڑسکتی۔ اس کے بخلاف حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان کے ایمان و یقین کے لیے اس مطالعہ کی ضرورت و اہمیت بعض حیثیتوں سے تو اس سے بھی زیادہ ہے جتنی کہ اس کے اسلام کے لیے ہے۔ اس اہمیت اور ضرورت کے دو پہلو ہیں:

ایک پہلو یہ ہے کہ اسلام کا اجمالی وجود صرف قانون کی حد تک کافی ہوتا ہے۔ جو شخص لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صدق دل سے کہہ رہا ہو اس کا شمار اہلِ اسلام کے زُمرے میں لازماً رہے گا۔ لیکن ایمان کا یہ اجمالی اعلان اس کی ایمانی اور اسلامی زندگی کے لیے ہرگز کافی نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ جب تک یہ اجمالی ایمان تفصیل کا رنگ نہیں اختیار کرتا اس کے اندر عقیدے کے ایسے نقائص اور جاہلیت کے ایسے داغ دھبّے تقریباً ضرور ہی چھپے باقی رہ سکتے ہیں جن کے ہوتے ہوئے ایمان کوئی قیمت پا ہی نہیں سکتا۔ مثال کے طور پر توحید ہی کے عقیدے کو لے لیجیے۔ اگر ایک شخص سچّے دل سے اللہ کو اِلٰہ واحد ماننے کا اظہار کرتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ اس اِلٰہ واحد ہونے کے پورے مفہوم کو یعنی توحید کے سارے لازمی تقاضوں کو بھی سمجھ رہا اور دل سے مان رہا ہو، اور اب وہ خدائے واحد کے حقوق و اختیارات میں کسی کو بھی ذرّہ برابر شریک نہ قرار دے گا۔ یہی حال دوسری ساری ایمانیات کا ہے۔ ہر اسلامی عقیدہ اپنے کچھ نہ کچھ لازمی تقاضے رکھتا ہے۔ یہ لوازم اور مقتضیات بھی جب تک آدمی کے ذہن میں واضح نہ ہوں وہ مومن و مسلم ہونے کا حق ادا کرنے کے موقف میں نہیں ہوسکتا۔ اب جہاں تک توحید، رسالت، آخرت اور دوسرے دینی بنیادی عقائد کے ان لوازم کے علم و معرفت کا سوال ہے۔ ظاہر ہے وہ کسی عقلی اجتہاد سے حل کرنے کی چیز نہیں۔ اسے صرف دین کے اصل سرچشموں، اللہ کی کتاب اور رسولِ خدا ﷺ کے مستند ارشادات ہی سے حل کیا جاسکتا ہے۔ جس کے لیے ان کے مطالعہ کا ضروری ہونا بالکل ناگزیر ہے۔

دوسرا پہلو کیفیتِ ایمان کی برقراری کا ہے۔ اس پہلو سے کتاب و سنّت کے مطالعے کی اہمیت و ضرورت ٹھیک اسی طرح کی ہوتی ہے جیسی کہ کسی نو رویدہ کھیتی کے لیے کھاد اور پانی کی ہوا کرتی ہے۔ جس کھیتی کو کھاد نہ ملے اس کے پودے کمزور اور پیلے پڑ جاتے ہیں اور اگر اسے پانی نہ ملے تو وہ سوکھتی چلی جاتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال ایمان کے قلب کا بھی ہوتا ہے۔ اگر اسے اللہ کی کتاب، رسولِ خدا

کے ارشادات، انبیاؑ کے اُسوے، صلحاء کی سیرت اور دین و شریعت کی شارح و ترجمان کتابوں کے مطالعے سے برابر زندگی کی حرارت نہ پہنچائی جاتی رہے تو وہ اپنی توانائی کھوتا چلا جاتا ہے اور پھر اس سے درست حرکت و عمل کی توقع باقی نہیں رہ جاتی۔ یہی مطالعہ وہ مؤثر ترین تدبیر ہے جو اس قلب کے اندر پائی جانے والی دولتِ ایمانی کی حفاظت کرتی ہے اور اسے تازگی بخشتی رہتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ:

جَدِّدُوْ اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ

''لا الٰہ الاّ اللہ کے وِرد سے اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہو۔''

اس ارشادگرامی سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ ایمان کی شادابی اور توانائی اپنی حالت پر برقرار نہیں رہا کرتی بلکہ اس پر غبار پڑتا رہتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس غبار کو صاف کرتے رہنے کی تدبیر یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے کلمۂ طیبہ کو دہراتے رہو، دہراتے رہو زبان سے بھی اور دل سے بھی۔ یہ چار لفظوں کا مختصر سا جملہ دراصل پورے دین و شریعت کا مغز اور خلاصہ ہے، جس کے اندر ایمان، اسلام، تقویٰ اور احسان کے سارے حقائق اور تقاضے سمٹے ہوئے ہیں۔ اسی مرکز نور کی کرنیں ہیں جو پھیل کر قرآن کریم اور احادیثِ رسولؐ کی شکل اختیار کر گئی ہیں۔ اور پھر انہیں نورانی کرنوں کا دُور دُور تک پھیلا ہوا عکس جو درجہ بدرجہ سیرت انبیا، سیرتِ صحابہؓ، سیرتِ صلحا سے لے کر ان بے شمار دینی کتابوں کی شکل میں نظر آتا ہے جو دین و شریعت کی شرح و تفسیر اور ایمان و اسلام کی تلقین و تفہیم کی خاطر لکھی گئی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ اس لیے حقیقت یہ ٹھہرتی ہے کہ لا الٰہ الاّ اللہ کے وِرد سے جہاں ایمان کی اجمالی تجدید ہوتی ہے وہاں قرآن و حدیث وغیرہ کے مطالعے سے ایمان کی تفصیلی تجدید ہوتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ وقت، حالات اور ضرورت کے مطابق تجدید ایمان کے یہ دونوں ہی طریقے اپنائے جاتے رہیں۔

ہمیں مسلسل تجدید کی ضرورت اس لیے رہتی ہے کہ عقیدہ و ایمان کا معاملہ عام افکار و نظریات کے معاملہ سے بالکل جُداگانہ ہوا کرتا ہے۔ علمی نظریے اور وقتی نکتے جب ایک بار سمجھ کر صحیح مان لیے جاتے ہیں تو اب وہ ذہن انسانی پر پوری مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ بنا لیتے ہیں اور اس بات کے ہرگز محتاج نہیں رہ جاتے کہ انہیں ماند پڑ جانے سے بچائے رکھنے کی تدبیریں اختیار کی جائیں۔ جب کہ ایمانیات کا حال اس کے برعکس ہوا کرتا ہے۔ مستحکم سے مستحکم ایمان بھی برابر زوال اور اضمحلال کی زد میں رہتا ہے۔ ایک طرف اس دنیا کی شادابیاں اور اس کی لذتیں، اس کی دلچسپیاں اور اس کی محویتیں، اس کے مفادات

اور اس کی ضرورتیں اتنی پر کشش ہوتی ہیں، دوسری طرف الحادی فلسفوں اور مادّی نظریات کا چوطرفہ حملہ اتنا طوفانی ہوتا ہے کہ انسان کی نگاہ اپنے اندرون کی طرف سے بار بار ہٹتی اور بٹتی رہتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ایمان اور یقین پر خواہی نخواہی غیر محسوس طور پر حجابات پڑتے رہتے ہیں۔ ہم جیسے غفلت کے مارے ہوؤں کی نظر اپنے باطنی احوال پر پڑے یا نہ پڑے، مگر جن کا ضمیر بیدار ہوتا ہے وہ ان حجابوں کی طرف سے بے خبر نہیں رہتے۔ اور بسا اوقات شدّتِ احساس سے تڑپ اٹھتے ہیں۔ حضرت حنظلہؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ اپنے اندر کی اسی حجابی کیفیت کا مشاہدہ کر کے اس قدر گھبرائے کہ انہیں اپنے مومن باقی رہ جانے میں شبہ ہوگیا۔ بے چینی کے ساتھ سیدھے دربارِ نبوت میں پہنچے اور بولے کہ ''اے اللہ کے رسولؐ حنظلہ منافق ہوگیا۔'' اور جب آپ نے تسلّی دی تب جا کر انہیں سکون آیا۔ اور تو اور دنیا کے سب سے بڑے صاحبِ ایمان ویقین خود اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ وَ اِنِّىْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِى الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً.

''حقیقت یہ ہے کہ میرے قلب پر بھی غبار سا آجایا کرتا ہے اور میں دن بھر میں ستر بار استغفار کیا کرتا ہوں۔''

سوچنے کی بات ہے کہ صحابۂ کرام ہی نہیں، حضراتِ انبیاء تک بشریّت کے اس لازمہ سے یکسر ماورانہ تھے تو ایک عام انسان کا کیا حال ہوگا۔ ایک طرف تو ہمارے ایمان کی کمزوریوں اور غفلت شعاریوں کا وہ حال کہ بس خدا رحم کرے، دوسری طرف زمانہ کی ایمان سوزیوں اور ماحول کی فتنہ سامانیوں کا وہ عالم کہ الاماں والحفیظ۔ تیسرے اور چوتھے درجے کا مسلمان بھی اگر اس پوری صورت حال کا کبھی ادراک کرلے تو حق یہ ہے کہ زندگی تلخ ہو کر رہ جائے۔ پھر ایک مسلمان کا اولین فرض کیوں نہ ہوگا کہ اپنے قلب پر پڑتے رہنے والے حجابوں کو مسلسل ہٹاتے رہنے کی تدبیر اور کوشش میں لگا رہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنے ایمان کی برابر تجدید کرتا رہے یہ تجدید جیسا کہ ابھی واضح کیا جاچکا، لا الٰہ الاّ اللہ کے ذکر سے اجمالی طور پر اور کتاب وسنت وغیرہ کے مطالعہ سے تفصیلی شکل میں ہوتی ہے۔ اِس ذکر اور اس مطالعہ کی حیثیت ایک صیقل کی سی ہے جس سے دلوں پر پڑتے رہنے والا غبار صاف ہوتا رہتا ہے۔ ایمان کی لو مدّھم پڑ جانے سے محفوظ رہتی ہے اور بندگی کی سیدھی شاہراہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوجانے پاتی۔ اُس شخص کی بدقسمتی کی کوئی حد نہیں جو اس نسخۂ شفا کی ضرورت سے اور اس کے استعمال سے بے پروا رہے۔ کیوں کہ یہ بے پروائی ایک طرح کی ایمانی خودکشی سے کم نہیں۔

ذکر اور مُطالعہ کا مطلوبہ مفہوم

مناسب ہوگا کہ یہاں اس ذکر اور اِس مطالعہ کی نوعیت بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائے، جو دِلوں کی اس طرح آبیاری کرتا، اور ایمانی کیفیات کو اس طرح تازگی بخشتا رہتا ہے۔ یقینی طور پر یہ ذکر اور یہ مطالعہ صرف زبان کی گردش اور الفاظ کے دہرادینے کا ہرگز نام نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے بلکہ اس سے مراد صرف وہ ذکر اور وہ مطالعہ ہے جس میں توجہ اپنے آقا و مولیٰ کی طرف ہو، دل کے دریچے کھلے ہوئے ہوں، ذہن اپنی بساط بھر معنی کی گہرائیوں میں اترتا رہتا ہو، باطن کا دست طلب علم و ہدایت کی بخشش کے لیے اُٹھا ہوا ہو۔ عقل عام بھی کہتی ہے کہ اس ذکر اور مطالعہ کو لازماً ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرامؓ کا اسوہ بھی بتاتا ہے کہ ان کا طریقِ ذکر و طرزِ مطالعہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ کلمۂ توحید ہو یا آیاتِ قرآنی یا ارشاداتِ نبویؐ، ان میں سے کوئی شے بھی معاذ اللہ جادو کے منتروں کی حیثیت نہیں رکھتی کہ انہیں زبان سے صرف پڑھ دینا ہی اپنے اثرات کے ظہور کے لیے کافی ہو بلکہ ان میں سے ہر ایک اعلیٰ علوم و معارف کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ان کے فیض سے انسان اسی وقت بہرہ ور ہوسکتا ہے جب اس کی رسائی ان کے معانی تک ہوچکی ہو اور ساتھ ہی ان معانی کے مطابق اپنے دل و دماغ کو روشن کر لینے اور اپنے کردار کو سنوار لینے کی سچّی خواہش بھی اس کے اندر موجود ہو۔ اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ یہ بات قرآن و حدیث کے سرسری مطالعہ سے تو کیا اُن کے گہرے مطالعہ سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی جو صرف مطالعہ برائے مطالعہ ہو۔ اس کے لیے تو وہی مطالعہ درکار ہے جس میں زبان، غور و فکر کی قوت، ہدایت طلبی کا جذبہ اور دل کا اخلاص سب مصروف کار ہوں۔

قرآن و حدیث، سیرت اور صالح لٹریچر کے مطالعہ کی ضرورت و اہمیت کی اس بحیثیت مجموعی بحث و گفتگو کے بعد اب آیئے ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ لے کر دیکھیں۔ جہاں تک نفس مطالعہ کی اہمیت کا سوال ہے ظاہر بات ہے کہ ان سب چیزوں کے مطالعہ کی اہمیت ضرورت اور افادیت یکساں نہیں ہوسکتی۔ اس کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ حالات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے مطالعہ کی کوئی نہ کوئی خصوصی اہمیت بھی ہے۔

مطالعہ قرآن

سب سے پہلے قرآن کریم کے مطالعہ کے مسئلے کو لیجیے جس کی سب سے بالاتر اہمیت پر سبھی کا

ایمان ہے اور جو صرف کسی ایک خصوصی اہمیت کا نہیں بلکہ ہمہ جہتی اہمیتوں کا حامل ہے کیوں کہ حق اور ہدایت کا اصل سرچشمہ وہی ہے۔ دوسری ساری چیزیں اسی آفتابِ علم و معرفت سے روشنی پائے ہوئے ماہ و انجم ہیں۔ اس لیے یہ مقام اسی کتاب کو حاصل ہے کہ علم و معرفت اور رشد و ہدایت کے معاملے میں وہ سب سے آگے رہے۔ اور دوسرے دینی مراجع اس کے تابع رہیں۔ جہاں یہ ترتیب بدلی یا اس کا پورا لحاظ نہ رکھا جاسکا، پھر کامل، متوازن اور بے آمیز حق کبھی ہاتھ نہیں آسکتا۔ اس لیے بالکل ناگزیر ہے کہ ہر مسلمان اللہ کی کتاب کے مطالعہ کو سب سے زیادہ اہمیت دے۔ اور اسے اپنی زندگی کی اولین ضرورت سمجھے۔

قرآن مجید کے مطالعہ (جسے ہم تلاوتِ قرآن سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں) کی اہمیت خود قرآن یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے سچّے اور مخلص بندوں کی یہ ایک نمایاں اور ایک امتیازی صفت ہے کہ وہ اللہ کا ذکر اور میری آیتوں کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اُمّت سابقہ کے بارے میں بھی اس نے صاف صاف فرما رکھا ہے کہ اس فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی اور گمراہیوں کی ماری ہوئی قوم بنی اسرائیل میں سے صرف وہ لوگ حق پر قائم باقی رہ گئے ہیں جو آیاتِ الٰہی کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ (آل عمران:۱۱۳)

''اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ ہے جو حق پر قائم ہے یہ گروہ آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتا ہے۔''

یہ تلاوت جس طرح کی تلاوت ہوتی تھی اس کی وضاحت بھی اس نے اُن لفظوں میں کر دی ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ

''جنہیں ہم نے اپنی کتاب دی ہے وہ اس کی اس طرح تلاوت کرتے رہتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے۔''

اس ارشادِ الٰہی نے یہ حقیقت کھول دی کہ تلاوتِ کتاب کی ایک سے زائد شکلیں ہوتی ہیں۔ ان شکلوں میں سے جو شکل اللہ کو مطلوب ہے وہ صرف وہ تلاوت ہے جسے حَقَّ تِلَاوَتِهٖ کہہ سکیں۔ یعنی جس سے وہ مُدّعا پورا ہوسکے جو کسی کتابِ الٰہی کے نازل کیے جانے کا مدّعا ہوا کرتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ کے لیے، دوسرے لفظوں میں اس کی تلاوت کا حق ادا کرنے کے لیے چند باتوں کا اہتمام ضروری ہے:

۱- پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے مرتبہ و مقام کے صحیح علم و شعور کے ساتھ اس کا مطالعہ شروع کرے، بالخصوص اسے اس امر کا پورا احساس ہو کہ اللہ کی یہ کتاب انسانی زندگی کے لیے

ایک کامل ہدایت نامہ اوراس کی ضرورت سے تعلّق رکھنے والے سارے ہی احکام ومعارف کا گنجینہ ہے۔ حقیقت یہ نہیں ہے کہ وہ صرف اخلاقی مواعظ کا کوئی مجموعہ ہو یا صرف حلال و حرام کی دفعات کا کوئی کوڈ (Code) ہو، یا صرف اذکار و اشغال اور دعا و استغفار کا کوئی ہدایت نامہ ہو یا صرف کچھ مابعدالطبعی حقائق اور عقائد و ایمانیات کا کوئی صحیفہ ہو۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تِبیاناً لِّکُلِّ شَیئٍ ہے۔اس میں انسان کی زندگی کے ایک ایک گوشے کے لیے ہدایتِ حق کا سامان موجود ہے۔اس لیے دنیا یا آخرت کا جو بھی مسئلہ ہو اس کے سلسلے میں سب سے پہلے اسی کتاب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے اور وہ جو اصولی یا تفصیلی رہنمائی دے اسی کی روشنی میں عمل کی راہ متعین کی جانی چاہیے۔

۲- دوسری بات یہ کہ اسے ہدایت کی سچّی طلب کے ساتھ پڑھا جائے،نیت بھی خالص ہو اور عزم بھی صادق کہ اللہ کی اسی کتاب سے، جو ھُدًی لِلنَّاسِ اور ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے اور جس کے سوا صریح اور کامل حق کہیں اور ممکن ہی نہیں، ہدایت حاصل کرنی ہے، منزل کا سرائے اور راہ کے نشانات معلوم کرنا ہیں۔ اللہ کی سچّی معرفت اور اس کی مرضیّات معلوم کرنی ہیں۔ فکرِ صالح کے سانچے اور عملِ صالح کے خاکے معلوم کرنا ہیں یاد رہے کہ اس بارے میں کامیابی اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب انسان سارے پیشگی خیالات کو ذہن سے نکال کر اور من کی پسند و ناپسند سے یکسر بالاتر ہو کر قرآن ہاتھ میں لے۔ یوں تو مطالعۂ قرآن کے سلسلے کی ساری ہی شرطیں مشکل اور ہمت آزما ہیں، مگر ہدایت کی طلبِ صادق کی اس شرط کا پورا کرنا کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اُمّتِ مسلمہ کا ایک اُمّت سے درجنوں گروہوں اور متحارب فرقوں میں بٹ جانا بنیادی طور پر اسی شرط کا حق ادا نہ کیے جاسکنے کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر پیدا ہونے والے اختلافات کے حل کی برحق اور کامیاب تدبیر یہ بتائی تھی کہ انہیں اللہ اور رسول (یعنی کتاب وسنت) کے سامنے پیش کیا کرنا۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ.

''تو اگر تم میں کسی سے بھی نزاع ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔''

مگر پناہ بخدا، آج ہم اسی کتاب اور اسی سنت سے گروہی مجادلوں کے لیے اسلحہ کا کام لے رہے ہیں۔ سوچیے تو سہی تریاق کو یہ زہر بنا لینے کی مصیبت آخر دل ودماغ کی کس کجی کا نتیجہ ہے؟

۳- تیسری بات یہ کہ آیاتِ قرآنی کے معانی کے اندر اترنے کی پوری پوری کوشش کی جائے، لفظ لفظ پر اور آیت آیت پر ٹھہر کر غور کیا جائے کہ ان کے اندر معرفت اور ہدایت کے کون کون سے انوار پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، (وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا) طالبینِ حق کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ قرآن پڑھتے اور سنتے وقت اپنے شعور کی آنکھیں اور فہم کے کان کھلے رکھتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا۝ (الفرقان)

''اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعہ یاددہانی کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے۔''

اس کے بالمقابل منکرینِ حق کے انکارِ حق پر اصرار کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ قرآن پر غور ہی نہیں کرتے (اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ) اسی طرح ان یہود کو جو تورات پر ایمان رکھنے کے باوجود اس کے معانی اور اس کی ہدایات سے بےخبر رہتے تھے اس گدھے سے مشابہ ٹھہرایا گیا تھا جس پر کتابیں لدی ہوں۔ (کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا) اندازہ کیجیے، کتنا سخت ہے یہودیوں پر اللہ کا یہ تبصرہ! مگر اس تبصرے کے سامنے ہونے کے باوجود قرآن مجید کے ساتھ اہلِ قرآن کی خاصی بڑی تعداد کا معاملہ کچھ زیادہ مختلف نہیں رہ گیا ہے۔ اس کے الفاظ کو صرف برکت اور ثواب کی خاطر پڑھ لیا جانا تلاوت کا حق ادا کر دینے کے لیے کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ رہی کہ وقت کے مشہور و مقبول دین دار حلقوں سے تعلق رکھنے والے اونچے تعلیم یافتہ حضرات اپنے شاگردوں اور متوسّلین کو اعلانیہ یہ مشورہ دینے لگے ہیں کہ قرآن کی بس تلاوت کر لیا کرو، اس کے ترجمے اور تفسیر کی جھنجھٹ میں نہ پڑو ورنہ ذہن اُلجھنوں کا شکار ہو جائے گا۔ غور فرمایئے کوئی حد ہے بظاہر تو قرآن عزیز کی اس مظلومیت کی، لیکن فی الواقع پیروانِ قرآن کی اس محرومی کی۔ کیا یہ صورتِ حال رسولِ خدا ﷺ کی اس پیشین گوئی کی یاد نہیں دلاتی کہ ایک زمانہ آئے گا جب اسلام کا صرف نام اور قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے۔

یُوْشِکُ اَنْ یَّاْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَّا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِیَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰی. (مشکوۃ کتاب العلم)

''عنقریب ایک زمانہ آئے گا جب اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن کے صرف حروف رہ جائیں گے۔ان کی مساجد آباد ہوں گی مگر ہدایت کے پہلو سے وہ ویران ہوں گی۔''

۴- چوتھی بات یہ کہ قرآن مجید کو دل کی حضوری کے ساتھ پڑھا جائے، یہ صرف شہنشاہِ کائنات کے کلام کی عظمت کا ہی تقاضا نہیں ہے، بلکہ عین اس کے بنیادی مقصود کا بھی تقاضا ہے جس کے لیے قرآن کا نزول ہوا ہے اور جس کی خاطر اس کا مطالعہ اور تلاوت ایک مسلمان کی بنیادی ضرورت قرار پاتی ہے۔ جب یہ قرآن اپنے اندر پہاڑوں کو ہلا دینے اور پاش پاش کر دینے کی برق آسا قوت رکھتا ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط (حشر)

''اور اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے پست اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔''

تو ایک مسلمان کے قلب کا اس کے جلال سے متاثر نہ ہونا کیسے ممکن ہے؟ لیکن ظاہر ہے کہ متاثر ہونے کے لیے متاثر ہونے کی صلاحیت اور طلب بھی چاہیے۔ مقناطیس سے کھینچنے کے لیے لوہے کا لوہا ہونا ضروری ہے۔ لوہے کے نام پر اگر کسی لکڑی یا پتھر کو اس کے سامنے لے جایئے تو وہ اس کی مقناطیسیت کا کیا اثر قبول کر سکے گا؟ پس قرآن پڑھنے کے لیے وہ دل چاہیے جس کے اندر اس کے جمال اور جلال سے متاثر ہونے کی صلاحیت موجود ہو۔ یہ قرآن ایک قلب ہی پر نازل ہوا تھا۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ ۝لا عَلٰی قَلْبِكَ (شعراء:۱۹۳،۱۹۴) ''روح الامین نے اس کو آپ کے دل پر اُتارا ہے۔'' اس لیے قلوب ہی اس کے اصل مخاطب ہیں۔ کوئی مخاطب جب تک متکلّم کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سننے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا اس وقت تک سارا سننا بیکار ہی رہتا ہے۔ لہٰذا اگر قرآن کے مطالعہ سے وہ کچھ حاصل کرنا ہے جو اس سے فی الواقع حاصل کرنے کا ہے تو اس کے اصل مخاطب یعنی قلب انسانی کو اس کے ارشادات کے لیے پوری طرح حاضر اور اس سے علم و ہدایت کا پوری طرح طلب گار رہنا چاہیے۔ قرآن حکیم نے سچے مومنوں کی صفت بیان کرتے ہوئے جو بار بار یہ فرمایا ہے کہ ''جب ان کو آیاتِ الٰہی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔'' (وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ انفال:۲) یا یہ کہ ''ہماری آیتوں پر صرف وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں

جن کا حال یہ ہے کہ جب انہیں ان آیتوں کے ذریعہ یاددہانی کرائی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں۔" اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا۔ سجدہ:۱۵، یا یہ کہ "سچے مومن تو وہی ہوتے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل دہل اُٹھتے ہیں۔" اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَاللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ انفال:۲۔ یا یہ کہ "جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو پیغمبر پر نازل ہوا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق کی معرفت سے ان کی آنکھیں اشک ریز ہو جاتی ہیں۔" وَاِذَاسَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ط(مائدہ:۸۳) تو اہل ایمان کا یہ سارا حال یقیناً صرف اس بات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا کلام اس توجہ اور انابت کے ساتھ سنتے یا پڑھتے ہیں جس توجہ سے سننے یا پڑھنے کا حق ہے۔

قرآن عزیز کے مطالعہ کی یہ وہ بڑی بڑی بنیادی شرطیں ہیں جن کا اہتمام ضروری ہے۔ اس اہتمام کے بعد ہی یہ مطالعہ وہ مطالعہ بن سکتا ہے جو ایمان کی غذا بن جایا کرتا ہے اور جس کی بابت رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰه وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنْ عِنْدَهٗ (مسلم)

"جب بھی کچھ لوگ اللہ کے کسی گھر میں اکٹھے ہو کر اس کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور باہم مل کر اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اللہ کی رحمت انہیں سایہ میں لے لیتی ہے، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ اپنے مقربینِ خاص میں ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔"

اور جس کی فضیلت حضرت ابن عباسؓ نے ان لفظوں میں ظاہر کی تھی:

تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ الَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اَحْيَائِهَا. (دارمی)

"رات کی ایک گھڑی بھر کا باہمی مطالعہ علم قرآن پوری رات کی نماز سے افضل ہوتا ہے۔"

لیکن اگر آداب و شرائط کو ملحوظ نہ رکھا گیا اور مطالعہ کو دل کی حضوری، ہدایت کی طلب اور غور و تدبر سے خالی رکھا گیا تو وہ افادیت اور نتیجہ خیزی سے بھی خالی ہی رہے گا۔ اس کے ذریعہ کتابِ الٰہی کا کوئی علم اگر حاصل بھی ہوگا تو یہ نام نہاد علم فی الواقع جہل سے مختلف نہ ہوگا۔ یہ ویسا ہی علم ہوگا جیسا مستشرقین کا ہوا کرتا ہے۔ دماغ اپنے طرز کی معلومات سے بھرا پُرا لیکن دل کی دنیا یکسر ویران۔ حضرت

زیاد بن لبیدؓ نے ایک موقع پر حضورؐ سے پوچھا کہ ''اے اللہ کے رسولؐ! (دین اور قرآن کا) علم کس طرح اُٹھ جائے گا (جیسا کہ آپؐ فرمارہے ہیں) جب ہم قرآن پڑھتے رہتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی پڑھاتے رہتے ہیں، پھر ہماری یہ اولاد اپنی اولاد کو پڑھاتی رہے گی اور یوں ہی یہ سلسلہ جاری رہے گا؟''

آپؐ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَوَلَيۡسَ هٰذِهِ الۡيَهُوۡدُ وَالنَّصَارٰى يَقۡرَءُوۡنَ التَّوۡرَاةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ بِشَىۡءٍ مِمَّا فِيۡهِمَا (ابن ماجه)

''کیا یہ یہود اور نصاریٰ توراۃ اور انجیل نہیں پڑھا کرتے، دراں حالے کہ وہ عمل ان کی کسی بات پر نہیں کرتے؟''

مُطالعۂ حدیث

قرآن حکیم کے بعد سب سے زیادہ اہمیت احادیث کے مطالعہ کی ہے اور یہ مطالعہ بھی بہت ضروری ہے۔ ابھی آپ کے سامنے یہ بات لائی جا چکی ہے کہ اسلام کی شاہراہ پر برقرار رہنے اور بھٹک کر غلط راستوں پر پڑ جانے سے محفوظ رہنے کی جو تدبیر رسولِ خدا ﷺ تلقین فرما گئے ہیں وہ صرف تمسك بالكتاب (کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامے رہنے) ہی کی نہیں ہے بلکہ ساتھ ہی تمسك بالسّنة (سنتِ رسول کو مضبوط پکڑے رہنے) کی بھی ہے۔ اسی طرح جہاں آپ نے قرآن کو خير الحديث (سب سے بہتر کلام) فرمایا ہے وہیں اپنی هَدْى (منہاج عمل) کو سب سے بہتر منہاج عمل کو بھی قرار دیا ہے۔ فَاِنَّ خَيۡرَ الۡحَدِيۡثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيۡرَ الۡهَدۡىِ هَدۡىُ مُحَمَّدٍ (مسلم) ''بیشک بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین منہاج عمل محمدؐ کا منہاج عمل ہے۔'' پھر ان سب باتوں سے بھی زیادہ واضح اور صریح بات یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی سنت کو دانتوں سے پکڑے رہنے کا بصیغۂ امر حکم دے رکھا ہے:

فَعَلَيۡكُمۡ بِسُنَّتِىۡ وَسُنَّةِ الۡخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيۡنَ الۡمَهۡدِيِّيۡنَ تَمَسَّكُوۡا بِهَا وَعَضُّوۡا عَلَيۡهَا بِالنَّوَاجِذِ (ابوداؤد)

''پس میری سنت اور میرے ہدایت یاب خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع کو اپنے اوپر لازم ٹھہراؤ، اسے مضبوطی سے تھامے اور دانتوں سے پکڑے رہنا۔''

احادیث وسنتِ رسول کے علم و اتباع کی اتنی غیر معمولی اہمیت کیوں ہے اور یہ ایمان واسلام کی سلامتی کا حصار اگر ہیں تو کس بنا پر ہیں؟ یہ بات سمجھنے کے لیے دو حقیقتوں پر نظر ڈال لینا کافی ہوگا۔

۱- پہلی بات یہ کہ قرآن مجید کے اکثر و بیشتر معارف کی شرح و تفصیل ہمیں احادیث ہی میں مل سکتی ہے۔ قرآن کے یہ معارف بالعموم اس کے اعجازی کلام کے بلیغ اسالیب اور اشارات کے اندر چھپے ہوئے ہیں اور ان تک عام لوگوں کی نگاہیں بمشکل ہی پہنچ سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں وہ پوری روشنی میں آ گئے ہیں۔ یہ علوم و معارف ایسے ہیں جن سے واقف ہونا صحیح اسلام کے لیے ضروری ہے۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے اندر شریعت کے تفصیلی احکام بہت کم ہیں۔ یہ تفصیلات ہمیں ضروری حد تک احادیث ہی سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ یہ جو حدیث و سنت کو خَیرُ الھَدیِ، فرمایا گیا ہے، تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔

ان ہی دونوں وجوہ کے پیش نظر قرآن مجید کے بعد احادیث کو بھی ایک مستقل دینی سرچشمہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اور جب انہیں یہ حیثیت حاصل ہے تو مسلمانوں کے لیے ان کے علم اور مطالعہ کا ضروری ہونا بھی بالکل فطری بات ہے۔

احادیث کے مطالعہ کے سلسلے میں دو غلطیوں سے لازماً بچا رہنا چاہیے۔

● ایک تو غلط اور غیر مستند روایتوں کو کسی مصلحت سے قبول کر لینے کی غلطی ہے۔ یہ غلطی ہرگز نہ ہونی چاہیے، اور مطالعہ کے لیے صحیح حدیثوں کا ہی انتخاب کرنا چاہیے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے ترغیب یا ترہیب کے مقصد سے انتہائی کمزور حتّٰی کہ بے اصل روایتوں تک کے نقل و بیان اور درس و مطالعہ کو جائز قرار دے دیا ہے۔ لیکن ان تمام تر احترام کے باوجود ان کی یہ بات مان لینے کی نہیں بلا تأمّل رد کر دینے کی ہے۔ کیوں کہ ایسی روایتوں سے پڑھنے پڑھانے سے فائدہ بہت کم اور نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس سے دراصل دین کا مزاج ہی غیر متوازن اور غیر مستقیم بن کر رہ جاتا ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ایسا کرنا رسولِ خدا ﷺ کی صریح ہدایات اور سخت ترین تنبیہات کے بھی خلاف ہے۔

● دوسری غلطی احادیث کے ذوقی انتخاب کی ہے۔ یہ غلطی بھی کچھ کم مضرت رساں نہیں ہے۔ جس طرح یہ بات صحیح نہیں کہ درس اور مطالعہ کے لیے قرآن مجید کا اپنی پسند کے مطابق انتخاب کر لیا جائے، اسی طرح احادیث کا بھی من مانا انتخاب صحیح نہیں ہوسکتا، کیوں کہ جس طرح پورا قرآن

کلام الٰہی ہے، اسی طرح ساری احادیث بھی کلام رسول اور عمل رسول ہیں خَیرُ الْهَدْیِ سبھی کو فرمایا گیا ہے۔ عَلَیکُمْ بِسُنَّتِی کی وصیت کے دائرے سے ان کا کوئی حصّہ بھی باہر نہیں ہے۔ اس لیے جس طرح قرآن مجید کا کوئی ذوقی انتخاب کرکے اپنی فکری اور عملی کوششوں کو اسی کی حد تک محدود کر دینا۔ (اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ) کا مصداق بن سکتا ہے، اسی طرح احادیث کا یہ ذوقی انتخاب بھی ترکِ سنت کے جرم کا ارتکاب قرار پا سکتا ہے۔ پس بڑی محرومی کی بات ہوگی اگر اس کامل مجموعۂ رشد و ہدایت میں سے اپنے ذوق کے مطابق کچھ خاص خاص ابواب کو چھانٹ لیا جائے اور بس انہیں کے درس و مطالعہ پر اکتفا کر لیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ توجیہہ بھی کوئی معقول توجیہہ نہیں قرار پا سکتی کہ حالات نے جب زندگی کے بہت سے شعبوں سے تعلّق رکھنے والی احادیث کے درس و مطالعہ کی کوئی عملی ضرورت باقی ہی نہیں رہنے دی ہے تو دوسری احادیث ہی کے ساتھ اشتغال کو بالعموم محدود رکھنا حقیقت پسندی ہی کی بات ہوگی۔ اگر یہ توجیہہ کی جاتی ہے تو اسے کم نظری اور بے ذوقی کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ اگر زندگی کے کچھ میدانوں سے آج اسلام بے دخل ہے تو یہ صورت حال صبر کرکے بیٹھنے کی اجازت کب دے رہی ہے۔ یہ تو سراپا اضطراب بن جانے کا مطالبہ کر رہی ہے۔ اور اس اضطراب کا ابتدائی تقاضا یہ ہے کہ قرآن کے ان حصّوں اور حدیث کے ان ابواب کا ضرور ہی مطالعہ کیا جاتا رہے جن میں عمل کی دنیا سے باہر کر دیے جانے والے احکامِ دین مذکور ہیں۔ تاکہ ان احکام کی کم از کم یاد تو ذہنوں سے محو نہ ہو جانے پائے ورنہ خدانخواستہ کارواں احساسِ زیاں بھی کھو بیٹھے گا۔

پھر اس ذوقی انتخاب کا دوسرا نقصان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے نتیجے میں دین کا جامع اور ہمہ رخ تصوّر یک رُخا بن کر رہ جائے۔ یہ ایک فطری حقیقت ہے کہ کچھ باتوں پر آدمی اپنے ذہن کو اگر مرکوز کر بیٹھتا ہے اور انہیں جیسی اہمیت کی کچھ دوسری باتوں کے ساتھ یہ طرزِ عمل نہیں اختیار کرتا تو وہی باتیں اس کا کل سرمایۂ فکر و عمل بن جاتی ہیں۔ اور ان دوسری باتوں سے اس کا ذہنی رابطہ بھی یا تو باقی نہیں رہ جاتا یا صرف برائے بیت باقی رہ جاتا ہے۔ اس لیے اگر دین کا خالص اور مکمل تصوّر دل و دماغ میں زندہ رکھنا ہو قرآن ہو یا حدیث، کسی کے بھی درس و مطالعہ کے لیے کسی ذوقی انتخاب کی غلطی کے قریب بھی نہ جانا چاہیے۔

سیرت و اُسوۂ رسولؐ

احادیث ہی جیسا مقام دین میں سیرت و اسوۂ رسول ﷺ کے مطالعہ کو بھی حاصل ہے بلکہ

اس کی ایک مزید خصوصی اہمیت اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ جو اسلام، قرآن اور احادیث کے اندر الفاظ کے جامہ میں ہے وہ رسولِ خدا ﷺ کی سیرت اور آپ کے اُسوہ کے اندر عملی شکل میں مجسم ہو کر آنکھوں کو دکھائی دے جاتا ہے اسلام کے اس مجسم عملی نمونہ کی ضرورت کسی پر مخفی نہیں ہو سکتی۔ الفاظ اور عبارات سے بات کو پوری طرح پالینا اکثر بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن جب ان کا مدّعا مثالوں سے سمجھا دیا جائے تو ذہن کی ساری گرہیں کھل جاتی ہیں۔ اس لیے اگر کسی کو یہ معلوم کرنا ہو کہ اسلام فی الواقع اپنی کامل اور منقح شکل میں کیا ہے تو اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی سے بہتر شارح اور ترجمان اور کہیں نہیں مل سکتا۔

اس کے علاوہ ایک مخصوص ترین خصوصیت اُسوۂ رسولؐ کے مطالعہ کی اور بھی ہے۔ یہ اُسوہ وہ چیز ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت ہی نہیں اس کی محبوبیت کے اس مقامِ بلند تک پہنچا دے سکتی ہے جس سے بلند تر مقام کا تصوّر کیا، تمنّا بھی نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

''اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو فی الواقع محبوب رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔''

معلوم ہوا کہ اللہ کی محبوبیت یعنی بندگی کا بلند ترین مقام بندے کو رسولِ خدا ﷺ کی اتباع ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ 'اتباع' اطاعت کے عام معنوں سے ایک بلند تر شے ہے، کیوں کہ یہ اطاعت دینی احکام و ہدایات کی تعمیل ہی تک محدود رہتی ہے، جب تک کہ اتباعِ رسول اس سے آگے بڑھ کر رسولِ خدا کے ایک ایک نقشِ قدم کی پیروی تک وسیع ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک ایک نقشِ قدم کی پیروی ہی کا دوسرا نام اُسوۂ رسولؐ کی پیروی ہے۔ اس پہلو سے دیکھیے تو اُسوۂ رسولؐ کا مطالعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل نظر آنے لگتا ہے۔

سیرت و اُسوۂ صحابہؓ

قرآن مجید، احادیث، اور اُسوۂ رسولؐ کے بعد صحابۂ کرام کی سیرت اور ان کے اُسوہ کا مطالعہ بھی ہماری ایک اہم دینی ضرورت ہے۔ آپ سُن چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ ہی ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کو بھی دانتوں سے پکڑے رہنے کی تلقین اور تاکید فرمائی ہے (عَلَيكم بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّيْنَ الخ) اسی طرح آپؐ نے اپنے

سارے ہی اصحابؓ کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

اَصْحَابِیْ کالنجوم فبایّھم اقتدیتم اھتدیتم

''میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، تم (دین کے معاملے میں) ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کروگے ہدایت ہی پر رہو گے۔''

حضرت ابن مسعودؓ کی وصیّت ہے کہ:

اُولٰٓئِکَ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ...... وَتَمَسَّکُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ اَخْلَاقِہِمْ وَسِیَرِہِمْ فَاِنَّہُمْ کَانُوْا عَلَی الْہُدَی الْمُسْتَقِیْمِ. (مشکوٰۃ)

''یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں...... جہاں تک تم سے ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا کیوں کہ یہ لوگ ہدایت کی سیدھی شاہ راہ پر ہیں۔''

آخر کی دونوں روایتوں سے جہاں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قدوسیوں کا یہ پورا گروہ ہی ہدایت کے ستاروں کی کہکشاں تھا۔ اور ان سبھی کی سیرت ہمارے لیے روشنی کا مینار ہے۔ وہاں پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ میں سے خلفائے راشدین کی سنّت، سیرت اور اُسوہ کو ایک خصوصی اور برتر حیثیت حاصل ہے اور عقل کہتی ہے کہ یہ خصوصی اور برتر حیثیت اُسے حاصل ہی ہونی چاہیے تھی۔ ایک تو یہ حضرات گروہِ صحابہ میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتے تھے دوسرے ان کے عملی نقوش زندگی کے ہر میدان پر ثبت ہیں، عبادت گاہ سے لے کر تمدّنی اور اجتماعی زندگی کے آخری کناروں، تمدّن، معاشرت، سیاست، عدالت، حکومت، صلح، جنگ، بین الاقوامی تعلّقات تک ہر معاملے اور مسئلے سے ان کا براہِ راست ربط رہا اس لیے ان ہی کے لیے یہ ممکن ہوسکتا تھا کہ کامل اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کرسکیں۔ چنانچہ راشدین اور مہدیین، ہونے کے باعث انہیں اس فرض کی معیاری انجام دہی کی توفیق ارزانی بھی ہوئی۔ اس لیے ان ہی کی سنت بعد کے مسلمانوں کو کامل رہنمائی دے سکتی ہے۔

صحابۂ کرام کی سیرت اور اُسوہ کے مطالعہ کی خصوصی اہمیّت یہ ہے کہ صرف اسی مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ جہاں اسلام کا مجسّم عملی نمونہ ایک نبی معصوم کا جو سیّد الانبیاء بھی ہو، وہ ہے جس کے سارے خدّ وخال قرآن کریم، احادیث اور کتبِ سیرت میں دیکھنے میں آرہے ہیں۔ وہاں ایک غیر نبی اور غیر معصوم انسان اسلام کا مثالی نمونہ پیش کرسکتا ہے وہ کیا ہے؟ اسی طرح اسی مطالعہ سے یہ بھی جانا جاسکتا ہے کہ اونچے

سے اونچا اسلامی معاشرہ جو عالمِ وجود میں قائم کیا جا سکتا ہے، اس کی تصویر کیا ہے؟

اس پورے تجزیہ کی روشنی میں پوری حقیقت یہ دکھائی دیتی ہے کہ سیرت و اُسوۂ رسول کا مطالعہ اور سیرت صحابہؓ کا مطالعہ دونوں دو مختلف پہلوؤں سے ضروری ہیں۔ پہلا تو اس پہلو سے ضروری ہے کہ اس سے اسلام (خدا کے حضور مکمّل خودسپردگی) کی وہ بلندترین چوٹی معلوم ہو جاتی ہے جس تک اگرچہ کوئی بھی دوسرا شخص پہنچ نہیں سکتا، مگر پھر بھی اپنی ممکنہ بلندی تک پہنچنے کے لیے اس پر اس کی نگاہوں کا جمار ہنا ضروری ہے۔ دوسرا اس پہلو سے ضروری ہے کہ اس سے متعیّن طور پر اس بلندی کی نشان دہی ہو جاتی ہے جہاں تک پہنچنا امکان کے دائرے کے اندر ہے۔ اور جس کے لیے لازماً کوشش کی جانی چاہیے فرد کی سطح پر بھی اور معاشرے کی سطح پر بھی۔

عام صالح لٹریچر

اب آخر میں عام صالح لٹریچر کے مطالعے کی ضرورت کا نمبر آتا ہے۔ بلاشبہ اس پورے ذخیرۂ کتب میں سے کوئی شئے بھی دین وشریعت کا کامل مستند مرجع نہیں بن سکتی۔ دنیا کا کوئی مصنّف اور کوئی تصنیف بھی ایسی نہیں جو لاریب فیہ ہو۔ اس کے باوجود بہت کم لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جن کے لیے صالح الفکر علمائے حق کی کتابوں سے استفادہ غیر ضروری ہو۔ خیر القرون کے بعد ہی سے مسلمانوں کی اکثریت کبھی ایسی نہیں رہی اور اب تو اور بھی نہیں رہ گئی ہے کہ وہ کتاب وسنّت اور سیرت و اُسوۂ رسولؐ کا براہِ راست مطالعہ کر سکتی ہو۔ اور اپنے اس مطالعہ سے دین کی علمی وعملی ضرورتیں پوری کر لے سکتی ہو۔ اس لیے اس کے لیے صالح دینی لٹریچر کی طرف رجوع کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ کتابیں دراصل اپنے اپنے طور پر اصل دینی سرچشموں، یعنی قرآن اور سنت ہی کے معانی ومطالب کے اجزاء کی ترجمانی یا شرح ہیں۔ اس لیے ایک عام مسلمان کے لیے ان کا مطالعہ اصلاً قرآن وسنّت ہی کے مطالعہ کا فی الجملہ قائم مقام ہوتا ہے۔

لیکن اس مطالعے کے سلسلے میں دو باتوں کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے: ایک تو یہ کہ کسی بڑے سے بڑے شیخ وقت اور عبقری عالم کی تصنیف کے مطالعہ کو بھی قرآن وسنّت کے مطالعہ کا پورا قائم مقام ہرگز نہ سمجھ لیا جائے، صرف کہنے ہی کی حد تک نہیں بلکہ فی الواقع بھی۔ دوسری بات یہ کہ ان کتابوں کے مطالعے کے ساتھ ساتھ اپنی استطاعت کی حد تک قرآن وحدیث کا مطالعہ بھی لازماً کرتے رہنا چاہیے۔ تاکہ کم از کم دین کی بنیادی تعلیمات اور اس کے بنیادی تصوّرات، نیز اس کا اصل مزاج اسے براہِ راست

ان ہی اصل دینی سرچشموں سے حاصل رہیں اسے ناممکن نہ سمجھے۔ اگر اس اہتمام کے ساتھ قرآن و حدیث کے مستند تراجم کا بھی مطالعہ جاری رکھا گیا جس کی ابھی وضاحت کی جا چکی ہے تو ربّ رحمٰن و رحیم کی شانِ کریمی سے توقع رکھنی چاہیے کہ وہ ایک طالبِ حق کو مایوس نہ ہونے دے گا اور اس مطالعہ سے اسے اتنی روشنی ضرور عطا فرما دے گا جس کے ذریعہ وہ دین کی حدود، ایمان اور اسلام کے موٹے موٹے خطوط کو براہِ راست اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھ سکے گا۔ اور جو دوسری کتابوں کے مطالعہ کے وقت ایک 'مہیمن' کا کام دیتی جائے گی۔ البتہ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ عملی طور پر یہ ایک بڑا مشکل کام ہے۔ اس مشکل کا حل ارادے کی مضبوطی، ہدایت کی سچّی طلب اور اللہ سے دُعا ہی مہیّا کر سکتی ہے۔

صالح لٹریچر کے مطالعہ کے اندر تحریکِ اسلامی کے لٹریچر کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ حق کا تقاضا یہی ہے کہ اس لٹریچر کا مطالعہ بھی اسی طرح کیا جائے جس طرح اور کسی لٹریچر کا کیا جانا چاہیے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اس لٹریچر کے کچھ بنیادی نکات خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ کیوں کہ حالات زمانہ کے لحاظ سے وہ خصوصی اہمیت کے حامل بن چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کچھ اَچھوتے نکات ہیں اور کچھ اس تحریک کی اپنی دریافت ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ بلا تأمّل رد کر دیے جانے کے مستحق ہوتے۔ اس کے بہ خلاف یہ اسلام کے مسلّمہ حقائق ہیں، اور الفاظ کے فرق اور اندازِ بیان کے اختلاف کے ساتھ دوسری اسلامی کتب میں بھی جا بجا مذکور ہیں۔ لیکن جس چیز نے ان نکات کو تحریک کے لٹریچر کا اس وقت مابہ الامتیاز بنا دیا ہے وہ عملی زندگی سے ان نکات کا ربط قائم کرنے کی اس کی سرگرم وکالت اور مسلسل سعی و کوشش ہے۔ وہ مدّت سے کتابوں کی زینت بن کر رہ گئے تھے اور اس کے نتیجے میں ذہنوں میں بھی ماند پڑتے چلے گئے تھے۔ تحریک بڑے ذہنی اور عملی ریاض کے بعد ان نکات کو اُبھار کر دنیا کے سامنے لاسکی ہے۔ اب ان کا حق یہی ہے کہ انہیں از سرِ نو ذہنوں میں ماند پڑنے سے بچایا جائے جس کی بحالاتِ موجودہ سب سے کارگر شکل یہی ہے کہ ان نکات کو شرح و تفصیل اور دلائل کے ساتھ پیش کرنے والی کتابوں کا خصوصی توجہ سے مطالعہ کیا جائے، اور کیا جاتا رہے۔ اس سلسلہ میں ایک بات کا تذکرہ مناسب ہی رہے گا، اور وہ یہ کہ خود بانی تحریک کو ایک بار یہ کہتے سنا گیا تھا کہ تحریک کی کتابوں کو بار بار پڑھتے رہنا چاہیے، میں خود اپنی لکھی کتابوں کو پڑھتا رہتا ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.